ایک حدیث

جھگڑوں سے اجتناب

ابوامامہ سے ابوداؤد نے ایک ارشاد نبوی یوں نقل کیا ہے:

من ترك المراء وهو مبطل بنی له بیت فی ربض الجنة، ومن ترکه وهو محق بنی له فی وسطها ومن حسن خلقه بنی له فی اعلاها۔

(ریاض السنۃ صفحہ ۴۲۰)

جو جھگڑنے سے باز آجائے اور ہو وہ ناحق پر، تو اس کے لیے جنت کے گردونواح میں ایک گھر بنایا جائے گا۔ اور جو حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا ترک کر دے اس کے لیے وسط جنت میں ایک مکان بنایا جائے گا۔ اور جس کے اخلاق اچھے ہوں اس کے لیے جنت کے اعلیٰ طبقے میں ایک محل بنے گا۔

ہم ثقافت کے کسی شمارے میں یہ وضاحت کر چکے ہیں کہ جنّت یا دوزخ کی زندگیوں کا آغاز اسی دنیا سے ہوتا ہے۔ کیونکہ دنیا ہی آخرت کی کھیتی ہے۔ بیج اسی دنیا میں بویا جاتا ہے بلکہ اس کے کچھ ثمرات بھی یہیں حاصل ہو جاتے ہیں اور آخرت میں یہی کھیتی پوری طرح بارآور ہو کر کاٹی جاتی ہے۔ اس زندگی سے جو باتیں جہنم کی زندگی میں تبدیل کر دیا کرتی ہیں ان میں ایک چیز بے کار کے بحث مباحثے، جھگڑے اور مناظرے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں مدت سے یہ مشغلہ بڑا محبوب رہا ہے۔ اس کی بہت سی قسمیں ہیں۔ مثلاً:

آپ اخباروں میں تقریباً ہر روز اس طرح کی خبریں پڑھتے ہوں گے کہ باپ نے بیٹے کو یا فرزند نے والد کو قتل کر دیا۔ میاں نے بیوی کی ناک کاٹ لی۔ سواری نے تانگے والے کے پیٹ میں چاقو گھونپ دیا، وغیرہ وغیرہ۔ جب واقعات کا سراغ لگایا جاتا ہے تو نتیجہ سے بات نکلتی ہے کہ بہت معمولی سی بات پر اختلاف رائے ہوا۔ بات کا بتنگڑ بنا۔ گفتگو میں سوال و جواب نے شدت اختیار کی۔ بات بڑھتے بڑھتے باہمی تو تکار اور گالی گلوچ تک نوبت پہنچی۔ پھر زبان سے ہاتھ پاؤں کا نمبر آیا۔ یہ ناکافی ہوا تو چاقو یا لاٹھیاں نکل آئیں۔ کوئی جان سے گیا اور کوئی برسوں کے لیے جیل خانے پہنچ گیا۔

(۲) آغاز علمی گفتگو سے ہوا! اور نتیجے میں دو پارٹیاں ہو گئیں۔ معاملہ صرف اختلاف رائے تک ہی نہ رہا بلکہ ایک فریق نے سنجیدگی سے ہٹ کر دوسرے پر کیچڑ اچھالنی شروع کی اور دوسرے نے جواباً مخالف فریق کی پگڑی اتارنی۔ اس طرح معاملہ چل پڑا۔ اور غیر محدود عرصے کے لیے دونوں میں تفریق کی خلیج حائل ہو گئی۔

(۳) کسی غیر ضروری مسئلے پر — جس کا نہ عمل سے کوئی تعلق اور نہ آخرت میں اس کے متعلق کوئی باز پرسی — معصومانہ

انداز سے مکالمہ ہوا اور نتیجے میں اس نے مذہبی رنگ اختیار کر لیا۔ دوسرے کو نیک نیت تصور کرنے کا گمان جاتا رہا اور فرض کر لیا کہ وہ نیتِ اخلاص سے عاری ہے۔ پھر لات جوتا جہاد قرار پایا اور تفریقِ اُمت آگے چل کر تفریق در تفریق پر منتج ہوئی یعنی پہلے مبادلۂ خیالات، پھر مکالمہ، پھر مناظرہ، پھر مطاعنہ و مشاتمہ (باہمی گالی گلوچ) پھر مجادلہ اور مقاتلہ۔

ان جھگڑوں کے پہاڑ کو جب کھودا جائے گا تو اس کی تہہ میں صرف مراء کی چھپا ملے گی جس کی وضاحت کر دینا مناسب ہوگا۔ یہ مراء کیا چیز ہے؟ پہلے اسے سمجھ لینا چاہیئے۔ مَرْیٌ کے معنی ہیں دودھ نچوڑنا۔ گھوڑے کو کوڑے یا ایڑ لگا کر دوڑانا۔ دوسرے کے حق سے انکار کرنا۔ اسی سے مماراۃ اور مراء ہے جس کے معنی ہیں ایک دوسرے کی بات کی تحقیر کی نیت سے طعن آمیز گفتگو کر کے جھگڑا پیدا کرنا۔ گویا ہر فریق دوسرے کا دودھ یا جوہر نکالتا ہے۔ اسے ایڑ لگاتا ہے اور اس کی حق بات سے بھی انکار کرتا ہے۔ یہ ہے مراء۔ اس کی ممانعت قرآن میں بھی ہے۔ ارشاد ہے:

فلا تمار فیہم الا مراءً ظاہراً — (اے رسول) اصحابِ کہف کے بارے میں باہمی گفتگو صرف ظاہر تک محدود رکھو۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اصحاب کہف کے بارے میں جو کچھ وحی الٰہی سے ظاہر ہو چکا ہے اس سے آگے کوئی موشگافی نہ کرو۔ ظاہر ہے اگر گفتگو وحی کے ظاہر کرنے تک محدود رہے تو اس میں نہ طعن ہوگا نہ تحقیر۔ اسی مفہوم کو دوسری جگہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ:

وجادلہم بالتی ہی احسن — منکرین سے مکالمہ کرو تو حسین ترین طریقہ اختیار کرو۔

اسی سے تماری بھی ہے جس کے معنی ہیں شک پیدا کرنا۔ جب کسی بات میں شک پر شک پیدا کیا جاتا رہے تو لازماً مباحثہ اور مناظرہ بڑھتے بڑھتے مراء تک نوبت پہنچے گی جو مقاتلے پر بھی منتج ہو سکتی ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

فبای الاء ربک تتماری؟ — تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں میں شکوک پیدا کرتے رہو گے؟

اب دیکھیے زیر بحث ارشاد نبوی میں مراء کے کن کن نازک گوشوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ ہر بات میں اختلافِ رائے کی گنجائش رہتی ہے خواہ وہ لین دین کا معاملہ ہو، یا تبلیغ کا یا دوسرے معاملات میں اظہار خیال کا۔ ان سب مواقع پر یقیناً ایک فریق حق پر ہوگا اور دوسرا ناحق پر۔ اب ظاہر ہے کہ بات کرنی ضروری ہے جس کے بغیر انسان کا کوئی کام نہیں چل سکتا۔ ایسی صورت میں کیا روش اختیار کرنی چاہیئے؟ اسی کے متعلق حضورؐ نے کچھ ہدایات دی ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب گفتگو سنجیدگی کی حدود سے متجاوز ہونے لگے اور صورت جھگڑے کی پیدا ہونے لگے تو وہیں اپنی زبان — اور قلم بھی جو زبان کا ترجمان ہے — روک لو۔

اگر بات کرنے والا ناحق پر ہو تو سلامت روی کا تقاضا یہ ہے کہ اپنی رائے واپس لے لے لیکن اگر بات کی صحت اس کی سمجھ میں نہ آسکی ہو تو کم از کم اتنا تو وہ کر ہی سکتا ہے اپنی زبان روک لے۔ ایسے شخص کے لیے یہ بشارت ہے کہ اس کے لیے

بہشت کے گرد و نواح میں ایک گھر تعمیر ہوگا۔ یعنی چونکہ وہ حق سے دور ہے اس لیے جنتی زندگی کے اندر تو داخل نہ ہوگا لیکن چونکہ اس نے سلامت روی اختیار کی اس لیے بہشتی زندگی سے اسے قرب حاصل ہو جائے گا۔

اور اگر وہ حق پر ہونے کے باوجود جھگڑے سے باز رہتا ہے تو اس کا ٹھکانا جنت کے وسط میں ہوگا کیونکہ ایک تو وہ حق پر ہے اور دوسرے وہ فضول کے جھگڑے سے باز رہا۔ حق پر ہونے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ انسان سلامت روی اور متانت کو خیر باد کہہ دے اور ہر ایک کی گردن پر سوار ہو کر زبردستی اپنی بات منوانے کی کوشش کرتا پھرے اور بات بات پر طعن تشنیع اور تحقیر سے کام لیتا ہے۔ اس قسم کے جھگڑوں سے حق کی تبلیغ نہیں ہوتی بلکہ اس کا اثر الٹا ہوتا ہے اور مخاطب کا جذبۂ مقابلہ اسے حق سے اور زیادہ دور لے جاتا ہے۔ اسی لیے قرآن پاک میں حکم ہے کہ:

فذکر ان نفعت الذکری — نصیحت کرو بشرطیکہ وہ نتیجہ خیز بھی ہو۔

اس کے معنی یہ ہیں جہاں تذکیر (یاددہانی اور نصیحت) بے سود و بے نفع ہو یا اور الٹا نتیجہ پیدا کرے وہاں اپنی توانائیوں کو گفتگو میں ضائع نہ کرنا چاہیئے۔ اس سے خود اپنا ذہن اور جذبہ بھی خراب ہوتا ہے۔

پھر آخر میں ایک جامع ارشاد یوں ہے کہ جس کے اخلاق اچھے ہوں اس کے لیے بہشت کے اعلیٰ طبقے میں محل تعمیر ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جھگڑوں سے بچنا خود ہی اخلاقی زندگی کا ایک بڑا تقاضا ہے۔ اسی لیے قرآن پاک میں بھی یہ حکم ہے کہ:

قولوا للناس حسنا — لوگوں سے خوش کلامی سے بات کرو۔

زندگی میں انسان کو ہر مرحلے پر کچھ بولنے کی ضرورت پڑتی ہے اس لیے اخلاقی تقاضوں کا لحاظ رکھنے کا سب سے پہلا موقع یہی ہوتا ہے۔ یہی زبان دوست بناتی ہے اور یہی دشمن پیدا کرتی ہے۔ اسی زبان سے بڑے بڑے فسادات پیدا ہوتے ہیں اور اسی سے بڑے سے بڑا فساد دور ہو جاتا ہے۔ اسی سے کفر اور اسی سے ایمان ظاہر ہوتا ہے۔ اسی سے دعائیں اور اسی سے گالیاں نکلتی ہیں۔ یہی ہے جو انسان کے اندرونی جذبات کی ترجمانی ہوتی ہے۔ اور یہی ہے جو حقیقت کے خلاف بول کر منافقت کی شان پیدا کرتی ہے۔ غرض یہ زبان عجیب چیز ہے۔ اس کی نوک پر جنت اور جہنم کی چابیاں لٹکی رہتی ہیں۔ کتنا صحیح فرمایا ہے حضورؐ نے کہ:

من یضمن ما بین لحییه وما بین فخذیه اضمن له الجنه — میں جنت کی ضمانت دیتا ہوں اس شخص کو جو دو چیزوں کی ضمانت دے دے۔ ایک دو جبڑوں کے درمیان والی چیز (زبان) اور دوسرے دو رانوں کی درمیانی چیز (شرمگاہ)۔

آپ نے دیکھا کس طرح زبان کی نوک بہشت و دوزخ کی کنجیوں کے لیے کھونٹی کا کام دے رہی ہے؟ یہی حقیقت زیر نظر حدیث میں بیان ہوئی ہے۔ جو زبان کے ایک بڑے غلط عمل ـــــ جھگڑے ـــــ سے الگ رہے وہ اگر حق پر ہے تو وسطِ جنت میں ورنہ بہشت کے گرد و نواح میں ایک ٹھکانے کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا گیا کہ

یہ بھی دراصل ایک شاخ زندگی ہے جس کی جڑ اخلاقی قدروں کی محافظت ہے۔ لہٰذا جس کی اخلاقی زندگی اچھی ہو اس کا مقام سب سے اعلیٰ ہے۔

یہاں یہ بات خوب ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ بہشت کے وسط یا اس کے گرد و نواح کے ٹھکانے کا استحقاق محض ایک دو بار کرنے سے نہیں پیدا ہو جاتا۔ زندگی میں ایک بار ایسا کرنے سے استحقاق تو پیدا ہو جاتا ہے لیکن اس استحقاق کو باقی رکھنا خود انسان کا کام ہے اور وہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ یہ ایک اندازِ زیست اور روشِ زندگی بن جائے۔ اگر ایک دو موقعوں پر تو اس کو ملحوظ رکھا جائے اور زندگی کے بے شمار مواقع پر اس کے خلاف کیا جائے تو ظاہر ہے کہ اتنی سی بات سے اتنا بڑا استحقاق نہیں پیدا ہو سکتا۔ (محمد جعفر)

گلستانِ حدیث

مصنفہ محمد جعفر پھلواروی

چالیس منتخب احادیثِ نبوی کی تشریح، جس کے ہر مضمون کی تائید میں دوسری احادیث اور قرآن کریم کی آیات سے ان کی مطابقت نہایت دل کش انداز سے پیش کی گئی ہے۔ اندازِ نگارش اچھوتا اور تشریحات جدید افکار و اقدار کی روشنی میں کی گئی ہیں۔ کاغذ و طباعت عمدہ۔ مجلد مع گرد پوش۔ قیمت دو روپے آٹھ آنے

اسلام اور رواداری

مصنفہ رئیس احمد جعفری

قرآنِ کریم اور حدیث نبوی کی روشنی میں بتایا گیا ہے کہ اسلام نے غیر مسلموں کے ساتھ کیا حسنِ سلوک روا رکھا ہے اور انسانیت کے بنیادی حقوق ان کے لیے اعتقاداً اور عملاً محفوظ کیے ہیں۔ حصہ اول ۴/۷ روپے۔ حصہ دوم ۸/۷ روپے

ملنے کا پتہ: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور